سلسلہ اشاعت قرآنی تحریک حیدرآباد دکن

شمارہ ۱ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۹ھ نمبر ۱۳

حکومتِ الٰہی

مرتبہ

ابو محمد مصلح کان اللہ لہٗ

دفتر

قرآنی تحریک حیدرآباد دکن

جلد ۵

سالانہ ــــ دو روپیہ ۔ فی پرچہ ــــ قیمت ایک آنہ

۱۱۱۶ ۲۹۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدائی حکومت

أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۔

کیا اللہ کی ہستی میں شک ہے (حالانکہ وہ) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے

حکومت اس وقت تک قائم نہیں ہوتی جب تک حاکم اپنی ہستی کو منوا نہ لے۔ بادشاہ اس لئے بادشاہ ہوتا ہے کہ لوگ اس کو بادشاہ مانتے اور وہ اپنے کو بادشاہ تسلیم کرا لیتا ہے۔

نظامِ حکومت کی باگ ڈور کا سرا جس کے ہاتھ میں ہوتا ہے وہی حاکمِ اعلیٰ سمجھا جاتا ہے اور یہ سب اسی لئے ہوتا ہے کہ وہ ایک محدود خطہ کے اندر رعایا کی فلاح و بہبود، امن و عافیت اور جان و مال کی حفاظت کا وعدہ کرتا ہے۔ مگر یہ کون نہیں جانتا کہ یہ سب باتیں عارضی اور سطحی ہیں۔ ایک وقت آتا ہے کہ بادشاہ خود اپنی جان کا مالک نہیں رہتا اور اپنی ساری بادشاہت کو چھوڑ کر مجبورِ محض ہو کر دنیا سے سدھار جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ نظامِ عالم جس کے اشاروں پر چل رہا ہے جس کے قبضۂ قدرت میں سب کی جان ہے۔ وہ کوئی اور ہے اور آسمان و زمین کی کنجی کا مالک کوئی دوسرا ہے۔

وہ ظاہر بھی ہے باطن بھی اور آنکھ والوں یقین والوں کے لئے تو اس سے بڑھ کر ظاہر اور حقیقی کوئی بھی نہیں۔ ہر شخص اپنے ارادے اور اپنے کام میں قدرت کے ہاتھ کو کارفرما خوب دیکھ سکتا ہے۔ پھر اس کی بادشاہت کے سامنے سب سے زیادہ حقیقی طور پر سر تسلیم خم نہ کرنا سب سے بڑی انسانی بغاوت ہے اور غفلت شعار انسان کی ناحق شناسی کا کھلا ہوا [illegible]

وہ وہ ہے جو سدا سے ہے اور سدا رہیگا۔ وہ باقی ہے۔ وہ حاکم مطلق ہے۔ اور وہ قادر مطلق بھی ہے اسی کا سب کچھ ہے اسی کے سب ہیں۔ اس کا سب پر اختیار ہے اور سب پر حکم چلتا ہے لیکن وہ کسی کے حکم کا تابع نہیں وہ اس پر کسی کا اختیار نہیں۔

وہ اپنی رعایا یعنی اپنے بندوں اپنے محکوموں سے کچھ مانگتا نہیں کیونکہ وہ محتاج نہیں غنی ہے۔ وہ دیتا ہے اور مانگنے والوں سے خوش ہوتا ہے اس کے خزانے میں سب کچھ ہے اور اتنا ہے کہ اس کی انتہا نہیں۔ یہاں تک کہ مانگنے والے مانگتے مانگتے تھک جائیں لیکن اس کے لازوال خزانے میں ایک ذرہ برابر بھی کمی نہ ہو۔

خدا بادشاہت تقسیم کرتا ہے

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ٘ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُؕ بِیَدِكَ الْخَیْرُؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ٘ وَ تُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ٘ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ

کہہ یا اللہ مالک ملک کے دیتا ہے تو ملک جس کو چاہے اور چھین لیتا ہے ملک جس سے چاہے

اور عزت دیتا ہے جس کو چاہے اور ذلت دیتا ہے جس کو چاہے تیرے ہاتھ ہے سب خیر

بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے داخل کرتا ہے رات کو بیچ دن کے اور داخل کرتا ہے دن کو بیچ رات کے

بادشاہت جو ایک انسان کے لئے دنیا کی سب سے بڑی چیز سمجھی جاتی ہے۔ اُس کے سامنے اس کی کوئی حقیقت نہیں وہ مالک الملک ہر بادشاہ کو بادشاہت تقسیم کرتا ہے۔ روئے زمین پر آج تک جتنے بادشاہ ہوئے اُسی کے بنائے ہوئے تھے آج بھی جو بادشاہت کر رہے ہیں اُسی کی طرف سے ہیں۔ اور آئندہ بھی جو بادشاہت کریں گے اُسی کے بادشاہ بنائے ہوئے ہوں گے۔

وہ وہ ہے کہ جس کو چاہتا ہے بادشاہ بنا دیتا ہے اور جب جس سے چاہتا ہے بادشاہت چھین لیتا ہے

خدا آسمان و زمین کی بادشاہت کا باخبر مالک ہے

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ج اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ج لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّ لَا نَوْمٌ ط

لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط

اللہ	نہیں کوئی معبود مگر وہ	زندہ ہے	ہمیشہ قائم رہنے والا	نہیں پکڑتی اُسکو اونگھ اور نہ نیند

اُسی کیواسطے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے

اُس کی بادشاہت میں کوئی شریک نہیں وہ لاشریک ہے بے نیاز ہے زندہ ہے۔ قدیم ہے اور قائم بالذات ہے۔ وہ ہر دم اور ہر آن اپنی بادشاہت کے انتظام سے باخبر ہے اور اُسی کے لئے ہے۔ جو کچھ آسمانوں زمین میں ہے۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۔ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ

حاکم وہی ہے۔ اور حکومت اُسی کی ہے ۔ اِسی کا حکم چلتا رہا ہے۔ اور چل رہا ہے اور آیندہ بھی چلتا رہیگا کسی بادشاہ کسی جنرل اور کسی قانونی دماغ والے کی مجال نہیں کہ اُس کے قانون میں ایک حرف کا ردّ وبدل کر سکے یا ایک لمحہ کا وقفہ ہونے دے وہ ایسا قادرِ مطلق اور امرِ حقیقی ہے کہ جب کسی چیز کے ہونیکا ارادہ کرتا ہے تو فقال لہ کن فیکون اُس چیز کو کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔

کائنات کی ہر شے انسان کیلئے ہی تو انسان کو بھی کسی کیلئے ہونا چاہیئے

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

(اسنے) تمھارے واسطے پیدا کیا جو کچھ زمین میں ہے سب

غور کرو تو آسمان وزمین میں جو کچھ ہے وہ کسی نہ کسی طرح انسان ہی کے لئے ہے۔ خدا کی بڑائی اسی سے ثابت ہے کہ اُس نے ایسے عظیم الشان کارخانہ قدرت کے سارے فائدے ناچیز انسان کے لئے مترتب فرما دیئے۔ مگر

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

اور نہیں پیدا کیا ہم نے جنوں اور انسانوں کو لیکن اسلئے کہ وہ ہماری عبادت کریں

مطلب یہ ہوا کہ انسان کے لئے جب خدا کی ساری خدائی ہے تو انسان کو بھی کسی کا ہونا چاہیے

اور وہ خدا کے سوا دوسرا کون ہو سکتا ہے۔

ارشاد ہوا کہ ہماری عبادت کریں یعنی ہمکو پہچانیں۔ ہمارے حکموں پر چلیں۔ حاکم مطلق ہمیں سمجھیں اپنے کو اصلی محکوم ہمارا سمجھیں۔ یہ عبد ہیں اور ہم معبود۔ لہٰذا ان کا سر ہمیشہ کیلئے ہمارے سامنے جھکا رہنا چاہیے۔

کہا گیا کہ نظامِ عالم کی ہر گردش جب انسان کے لئے ہے اور انسانی ان میں سے کسی ایک کے لئے بھی نہیں تو نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ اب ایک ذات اللہ کی باقی رہی اور اسکو اسیکا ہونا چاہیے پھر وہ کیا چاہتا ہے؟ اس کا کیا منشاء ہے اور وہ کس چیز سے راضی ہے۔ بس یہی کہ انسان اللہ کا اقرار کرے۔ اللہ کی معرفت حاصل کرے اور اس کے ثبوت میں بطور اعتراف کے اللہ کا محکوم بندہ بن جائے۔ یہ بھی اس لئے کہ اس کا فائدہ بھی براہ راست انسان ہی کو پہنچنے والا ہے

اب ہر مسلمان اور ہر انسان کو خود ہی تصفیہ کر لینا چاہیے کہ اُس کی زندگی کا مقصد کیا ہونا چاہیے اور منشائے خداوندی کیونکر پورا ہوا۔ پھر اس کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ ساری دنیا کے "قانون نظامِ سلطنت اور شاہانِ وقت کی کوششوں کے باوجود بھی پائدار امن و امان آجتک قائم نہیں ہوا۔ اور نہ آئندہ کے لئے اس کی کوئی امید ہے اور ہو بھی کیونکر کہ اجسام کی حکومت اور دلوں پر کی حکومت میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ انسانوں کا قانون اور انسانی حکومت کا نفاذ زیادہ سے زیادہ اجسام ہی پر ہوتا ہے۔ لیکن اللہ کی حکومت اور اللہ کا قانون براہِ راست دل سے تعلق رکھتا ہے

آخرت کا سوال

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ

بادشاہ ہے دن قیامت کا

بادشاہت تو اُس کی آج بھی قائم ہے اور سزا و جزا کا معاملہ آج بھی جاری ہے۔ لیکن تخلیق عالم کا نتیجہ یوم الفصل پر موقوف ہے۔ اور یہیں سے ثواب و عقاب اور بہشت و دوزخ کی ضرورت ہے۔ تاکہ ملک بے سیاست نہ رہ جائے۔

انسانی حکومت کا تعلق دوسرے لفظوں میں اگر بہت زور دیا جائے تو دنیا تک ہی اور دنیا کی زندگی تک ہے۔ لیکن اگر خدائی قانون کا نفاذ ہو اور خدائی حکومت قائم ہو جائے تو اس سے دنیا کا انتظام بھی مکمل ہو جائیگا اور دین بھی ہاتھ سے جانے نہ پائیگا۔

خدائی حکومت کے اندر اللہ کے حقوق بھی پورے ہوتے جائیں گے اور بندوں کے حقوق بھی کما حقہٗ ادا ہوتے رہیں گے۔ مگر دو تلواریں ایک نیام میں نہیں رہ سکتیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ انسانوں کے بنائے ہوئے قانون بھی نفاذ پذیر رہیں، انسانوں کی حکومت بھی قائم رہے اور خدا کا قانون بھی چلتا رہے اور خدا کی حکومت بھی قائم رہے اس کے لئے ضروری ہے کہ ایک کا بالکل خاتمہ کر دیا جائے۔ لا یشرك فی حکمہ احدا۔

حق بحقدار کا خیال کرتے ہوئے اب یہ بات طے پا جاتی ہے کہ انسانی قانون اور انسانی حکومت کا خاتمہ ہو جانا چاہئے اور خدا کے قانون کا نفاذ اور خدائی حکومت کا قیام ہونا چاہیے۔

جس طرح انسانوں کا خدا سے کوئی مقابلہ نہیں، اسی طرح خدا کے قانون اور خدائی حکومت سے انسانوں کے قانون اور انسانی حکومت کی کوئی برابری نہیں۔ اس کے لیے ذیل کے مباحث پر نگاہ ڈالنی چاہیئے۔

سچ تو یہ ہے کہ انسانوں کے یہ بس کی بات بھی نہیں کہ فطرت کے علاوہ انسان کے مختلف طبائع کے لئے کوئی مکمل قانون بنا سکیں اور صحیح حکومت قائم کر سکیں اختلاف کے متعلق تو تحقیق یہ ہے کہ ایک پھول کی پنکھڑیاں بھی ایک دوسری سے مختلف ہوتی ہیں صرف

قدرت نے ایک دوسرے کی ضروریات اور ایک دوسرے کی قوت اور علم و عمل کے ذریعہ عارضی طور پر ایک کو حاکم اور ایک کو محکوم کر دیا لیکن اصلی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھی ہے۔

نئی دنیا میں آج یہ ہوا چلی ہوئی ہے کہ سلطنت کا کوئی مذہب نہیں ہونا چاہیئے اور گورنمنٹ کو اپنی سیاست اور وضع قوانین میں کسی مذہبی ہدایت کی پابندی بھی نہیں کرنی چاہیئے ایسا کہنے والے کو سب سے پہلے مذاہب عالم کو مٹا دینے کی فکر ہونی چاہیئے اس لئے کہ اگر حکومت کا کوئی مذہب نہ بھی ہو تو رعایا کا مذہب دخل در معقولات کریگا اور پھر اُن ہی پریشانیوں کا باعث بنے گا جس سے گھبرا کر حکومت نے مذہب سے توبہ کی تھی۔

بعض نافہم ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ مذہبی تعلیم پر خاص طور سے روپیہ نہیں خرچ کرنا چاہیئے مگر یہی وہ ہوتے ہیں جو دوسری تعلیم پر زیادہ سے زیادہ روپیہ خرچ کرنے پر اصرار کرتے ہیں افسوس ہے کہ ان کو علم کی حقیقت سے بھی لاعلمی ہوتی ہے۔ اگر ایک مذہب والے کو اُس کی مذہبی تعلیم حقیقتاً نہ دی جائے تو ظلم کے سوا اور کیا ہے پھر جب اُس کو مذہبی تعلیم ہی مضر ہے تو دوسری تعلیم تو سمِ قاتل ہوگی۔

حکومت، قانون، علم اور مذہب کا مفہوم سمجھنے میں اس طرح کے لوگ اصولی غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں، مذہب کا مفہوم کسی طریقہ پر چلنے کے ہیں۔ اس لئے ہرگز وہ بلکہ ہر شخص کسی نہ کسی طریقے پر ضرور زندگی بسر کریگا یہ طریقہ کسی دوسرے کا بنایا ہوا ہو خواہ خود اسی کا ساختہ پرداختہ ہو۔ اس اُصول پر دہریت بھی ایک مذہب ہے اور لاادریت بھی ایک مذہب۔ آج باشندگان روس جن کے متعلق مذہب سے بیزاری کا غلغلہ سُنا جا رہا ہے وہ بھی ایک مذہب رکھتے ہیں جس کو وہ بالشویزم کہتے ہیں آخر یہ بھی ایک طریقہ ہے اس لئے یہی ان کا مذہب بھی ہے اب اگر فرق رہتا ہے تو صرف اتنا کہ ایک شخص انسانی مذہب کو قبول کرتا ہے۔ دوسرا آسمانی مذہب کو

ایک انسانوں یعنی مخلوق کی خواہشات اور عقل کا تابع ہوتا ہے تو دوسرا انسانوں کے پیدا کرنے والے خالق سمٰوٰت والارض کا۔ اور ان دونوں کا فرق آسمان وزمین کے فرق سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ اب جس کا جی چاہے ان میں سے ایک کو قبول کرے۔

گورنمنٹ کا مذہب ہونا چاہئے اور ضرور ہونا چاہئیے اور اگر کوئی گورنمنٹ اس میں تسامح سے کام لے رہی ہو تو اس کو بدل جانا چاہیے۔ اور اگر کوئی شخصی سلطنت ہے تو جلد سے جلد اُس کو تاج و تخت سے محروم کر دینا چاہیے مگر میں لکھ چکا ہوں کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ مذہب سے کسی وقت بھی کوئی خالی رہ سکے۔ اس لئے اس سے میرا یہ مطلب ہے کہ گورنمنٹ کا مذہب آسمانی مذہب ہونا چاہیے اور شخص واحد ہو یا جمہوریت ان سب کا صرف ایک ہی مقصد حکومت الٰہی کا پھیلانا ہو اور بس یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ جو گورنمنٹ جس قوم جس مذہب یا جس ملک سے تعلق رکھتی ہے وہ ان کی رعایت ملحوظ رکھنے پر مجبور رہتی ہے۔ انگلستان والے انگریزوں کی رعایت کریں گے جرمنی جرمن والوں کی ہندوستانی ہندوستانیوں کی اور چینی وجاپان والے چینی وجاپان والوں کی۔ اس لئے تو بیشک یہی بہتر ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی سلطنت کا مالک نہ ہونے دیا جائے کیونکہ ان کی رعایت سے دوسروں کو نقصان ہوگا اور حق تلفی کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ عدل و انصاف میں فرق آئیگا۔ مساوات باقی نہ رہیگا۔ قومیت کے اعتبار سے دوسری محکوم قومیں ہمیشہ نالاں رہیں گی۔ اور اُس گورنمنٹ کے جوے کو کاندھے سے اتار پھینکنا چاہیں گی۔ لہذا ایک سلطنت کیلئے امن و امان جو پہلی چیز ہے وہ صحیح معنوں میں کبھی باقی نہ رہے گا۔

میں تو دوسری قوموں کی محکومیت کے سوال کی بحث کو بھی ضروری نہیں سمجھتا بلکہ جس قوم ہی نا انصافی یا دشاہت قائم ہوگی خود اُسی قوم کے لوگ شاکی رہیں گے اور انقلابات کے نتیجے [illegible] ہیں۔ [illegible] سمجھے فرانس [illegible] قومیت کا باعث کون ہوئے روس کا تختہ کس نے اُلٹا

چین میں ہنگامے کون برپا کر رہا ہے۔

میرا مطلب یہ ہے کہ اگر بفرضِ محال امن و امان قائم کرنے کے لئے نظامِ عالم کو درست رکھنے کیلئے ایسا کیا جا سکے کہ ایک ایک مذہب کے افراد کی الگ الگ حکومت قائم کر دی جائے جب بھی مراد کو نہ پہنچیں گے۔ اس میں یہ نکتہ ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کا ہمیشہ کے لئے فطرتاً تابع نہیں رہنا چاہتا۔ اور نہ اس کی صحیح رائے کا بھی دل سے قائل ہو کر اتفاق کرنے والا ہو سکتا ہے۔

سمجھ لینا چاہیے کہ بندہ معبود کا ہی تابع رہ سکتا ہے۔ اور مخلوق خالق کی ہی حکومت قبول کر سکتا ہے۔ انسان انسان کی نہیں بلکہ خدا کی حکمبرداری کے اندر آ سکتا ہے۔ اور یہی ہونا بھی چاہیے کہ انسان کے لئے سب کچھ پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن انسان صرف خدا کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ یہ محکوم اسی کا بن سکتا ہے جو انسان نہ ہو بلکہ انسان سے بالاتر قوت والا ہو۔

غور کرو دیکھو۔ سوچو سمجھو اور صحیح نتیجہ تک پہنچو کہ دنیا کی مختلف قومیں۔ مختلف مذاہب والے۔ مختلف رنگ و زبان والے۔ آغازِ پیدائش سے آخیر دم تک کس احکم الحاکمین خدا کے قائل ہیں جب ایک فریادی کی فریاد کو کوئی نہیں سنتا اور ایک مظلوم کی دادرسی کہیں نہیں ہوتی، تب پھر اس وقت کون یاد آتا ہے کس سے داد طلب ہوتے ہیں اور کس کے عدل و انصاف یاد کر کر ڈھارس کا سبب بنتے اور تسکین کا باعث ہوتے ہیں۔

سمندر میں طوفان بپا ہے، جہاز بھنور میں پھنس چکا ہے۔ ناخدا جہاز کی سلامتی سے ناامید ہو کر جہاز والوں کو آخری جواب دے چکا ہے۔ ایسے وقت میں کس کی بادشاہت یاد آتی ہے کس سے فریاد کی جاتی ہے کس کو پکارا جاتا اور کس سے آسرا لگایا جاتا ہے۔

جہاز بیچ سمندر میں ہے۔ جہاز میں آگ لگ چکی ہے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ سروں کی کھوپڑیاں اُڑ رہی ہیں۔ کسی طرف سے جان بری کی امید نہیں رہی۔ آخری لمحہ ہے۔ آگ اپنا

کام کر چکی ہے۔ اب دیکھا جاتا ہے تو کچھ لاشیں سربسجود نظر آتی ہیں۔ یہ کون تھا جس کے سامنے ایسے وقت میں سر جھک گیا۔

آخر وہ کون قادر مطلق اور حکیم و صانع ہے۔ جو ایک قانون کے تحت معلوم نہیں کب سے آسمان و زمین کا انتظام چلا رہا ہے۔ ایک کو ایک کے لئے مسخر کئے ہوئے ہے اور وہ کون رحم و کرم اور انصاف والا ہے جس نے اپنی زمین کو یکساں طور پر سب کے لئے بچھا دیا ہے۔ آسمان کو سب کے لئے سائبان بنا دیا ہے۔ آفتاب و ماہتاب کی روشنی ہر ایک کے گھر پر یکساں طور پر پھیلائی اور وہ کون ہے جو گھنگھور گھٹا کو ہر ایک کے باغ اور امیدوں کی کھیتی پر پانی برسانے کو بھیجتا ہے۔

ذرا اس نظم کو دیکھو تو سہی کہ انسانی زندگی کے لئے جو چیز جس قدر ضروری ہے اتنی ہی عام اور اسی قدر آسانی سے مفت ملنے والی ہے زمین کس کے لئے نہیں۔ پانی کس کے لئے نہیں۔ آفتاب کی روشنی کس کے لئے نہیں۔ اور ہوا کس کے لئے نہیں۔ پھر ان میں سے کون سی چیز ہے جو سب سے زیادہ ضروری اور سب سے زیادہ قیمتی نہیں۔ پھر سب سے زیادہ مفت اور آسانی سے ملنے والی نہیں۔ الحمد للہ رب العلمین۔

ہاتھی کی۔ شیر کی قوت کا کون مقابلہ کر سکتا ہے۔ لیکن چونکہ انسان کو اشرف المخلوقات بنایا تھا اس لئے اس کو وہ چیز دی کہ سب کو مسخر کر دیا۔ نظام قدرت کا یہ حال کہ ایک دوسرے کی ایک خاص طریقہ پر ماتحتی کا مادہ تفویض ہے۔ اور وہ اسی کام میں لگی ہوئی ہیں۔ جن کے لئے ان کو پیدا کیا گیا۔ سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین۔

انسانی قانون اور انسانی حکومت پر بھی ایک نگاہ ڈالو تو پتہ چلیگا کہ اس میں بھی خدائی حکومت کے انداز اور اکثر قوانین یا اس کے بعض اجزا سے ترکیب پائی ہوئی چیزیں ملیں گی۔ اس میں ملک

تو مزیت ہوتی ہے۔ مگر اس کے بعد کے حصے جہاں سے انسانی خواہشات اور اُن کے دل ودماغ کی پیداوار چلتی ہے۔ خرابی رُو نما نظر آئے گی۔

جنگ عظیم کے بعد پریسیڈنٹ ولسن کے مشورہ سے جمعیت اقوام کا قیام عمل میں آیا جس کا ایک منشاء یہ بھی تھا کہ "اگر کوئی سلطنت اپنے اغراض کے حصُول کے لئے جنگ کرے تو پھر تمام سلطنتیں ملکر اُس کو راہِ راست پر لائیں" ذرا اس جذبہ کو دیکھو اور اس مشورہ کی تہ میں جاؤ۔ تو صاف معلوم ہو جائیگا کہ انسان ایک ایسی قوت بالا کا محتاج و خواستگار ہے جس کی ضرورت کا تو قائل ہے۔ مگر نادانی سے اس کی تلاش انسانی عقل و شعور پر منحصر رکھتا ہے۔ انسانی بل بوتے پر تکیہ کرنا چاہتا ہے ایسی جنگ اگر لڑی گئی تو اس میں بھی چونکہ انسانی خواہش کی جھلک۔ اور انسانی حکومیت کی ذلت کا سامنا ہے۔ ایک دوسری جمعیت اقوام کے رونما ہونے کا سامان فراہم کر دیگی لیکن یہ طریقہ حکومتِ الٰہی کے قیام کی غرض سے اختیار کیا جائے اور خدا کے نام پر خدا کا واسطہ درمیان میں لاکر آگے بڑھا جائے تو للٰہیت فریق مخالف پر ثابت ہونے کے بعد بجائے مخالفت کے موافقت کے درجہ تک پہنچا دیگا۔ اور مخالفت سے اس درجہ تک لڑنا چاہیئے۔ کہ حتّٰی تفی الیٰ امر اللہ اسی لئے ہے۔ یٰایّھا الّذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ فان تنازعتم فی شیئی فردوہ الی اللہ والرسول۔

یہ تسلیم کر لینے کے بعد کہ انسانوں کے بنائے ہوئے قانون اور انسانوں کی قائم کردہ حکومت سے آسمانی قوانین اور حکومت الٰہی کو ہر طرح تفوق حاصل ہے۔ اس سلسلے میں بہتر ہوگا کہ پہلے انسانوں کے بنائے ہوئے قانون پر ایک نظر ڈالی جائے اور آسمانی قوانین سے اُن کا مقابلہ کیا جائے۔

انسانی اور آسمانی قانون کا مقابلہ

بدقسمتی سے آج انگریزوں کو یہ بات حاصل ہے کہ وہ نام نہاد مسلمانوں کی ایک کثیر آبادی پر حکمراں ہیں۔ اور یہ نامسلمان عیسائیت کے تابع ہونیکو فخر سمجھ رہے ہیں اس لئے ان کے بنائے ہوئے چند قانون کا مقابلہ نامناسب نہ ہوگا

قتل

خدا پر ایمان لانے کے بعد انسان کے پاس سب سے زیادہ قیمتی اور عزیز شے جان ہے لہٰذا اس کے متعلق قانون کو بہت زیادہ جامع مانع ہونا چاہیئے۔ ارشاد باری ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى

فرض کیا جاتا ہے تم پر (قانون) قصاص مقتولین کے بارے میں (بقتل عمد)

اس کے بعد ہے۔

فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ط

پس جو کوئی کچھ معاف کیا جائے فریق کی طرف سے مگر پوری معافی نہ ہو تو (مدعی کے ذمے) معقول طور پر (خونبہا کا) مطالبہ کرنا اور (قاتل کے ذمے) خوبی کے ساتھ اس کے پاس پہنچا دینا۔

پھر اس کے بعد ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ه

اور تمھارے لئے (اس قانون) قصاص میں زندگی ہے۔ اے عقل والو۔ تاکہ تم لوگ (ایسے قانون امن کی خلاف ورزی کرنے سے) بچو گے

انگریزی قانون قتل عمد کے لئے یہ ہے۔

جو کوئی شخص قتل عمد کا مرتکب ہو۔اُس کو سزائے موت یا حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دیجائیگی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔ (مجموعۂ تعزیرات ہند دفعہ ۳۰۲)

قتل خطا کے لئے۔

جو کوئی شخص ایسے قتل انسان مستلزم کا مرتکب ہو۔ جو قتل عمد کی حد کو نہ پہنچتا ہو تو اُس شخص کو حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دی جائے گی۔ یا دونوں قسموں میں سے کسی قسم کے قید کی سزا دی جائیگی جس کی میعاد دس برس تک ہو سکتی ہے۔ اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔ (دفعہ ۳۰۴)

کسی قانون یا کسی حکومت کی ضرورت صرف اس لئے تسلیم کیجا سکتی ہے جبکہ وہ ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت کرنے والی ہو۔ پس قتل کے معاملہ میں سرکاری جرم بھی یہی ہے کہ حکومت نے جس حفاظت کا ذمہ لیا تھا اُس میں فرق آیا اس لئے مجرم کو سزا ملنی چاہیے تو اصل شے حق تلفی یا نقصان ہے۔ اس لئے دیکھنا یہ ہوگا کہ کس کو کیا نقصان پہنچا اور اُس کی حق تلفی کیا ہوئی۔ اسی لئے قتل کے اندر قرآن حکیم نے قصاص کا لفظ استعمال فرما کر وارثانِ مقتول کی حق تلفی اور نقصان کو بھی ملحوظ رکھا ہے اور انگریزی قانون میں یہ بات نہیں۔

قصاص میں حیات ہے۔ ایک جامع مانع لفظ ہے۔ انسان کی جان کا ایک نے احترام نہ کیا اس لئے تو اُس کے لئے قتل کا بدلہ قتل ہے۔ لیکن قاتل کی جان کا احترام بھی اگر ممکن ہو تو ایک شے ہے جس کا موقع قانونِ الٰہی نے ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

انگریزی قانون یہ ہے کہ اگر ایک ضعیفہ ہے جس کے دو بیٹے تھے وہ آپس میں لڑ پڑے اور ایک دوسرے کو قتل کر ڈالا۔ اور اب سرکار نے اس لڑکے کو جرم میں ماخوذ کیا اور پھانسی دینے کا

فیصلہ کیا ہے تو اُس ضعیفہ کو کوئی اختیار نہیں کہ وہ اپنے اس دوسرے لڑکے کو بچا سکے حالانکہ ایک کے کھو جانے کے بعد اس کے لئے دوسرے کی ضرورت اور شدید ہو گئی ہے اور اُس کا دلی تقاضا یہی ہوگا کہ اپنی امیدوں کے واحد مرجع کو بچالے۔ مگر انگریزی قانون اُس کو مجبور بے اختیار ثابت کرتا ہے۔ برعکس اس کے قرآن مقدس نے ہر دو قتل عمد اور خطا میں مقتول کے وارث کو پورا پورا اختیار دیا ہے۔ کہ قاتل کو قتل ہونے دے یا کچھ عوض لیکر چھوڑ دے یا بالکل ہی معاف کردے۔

دوسری مثال یہ ہے کہ اُس ضعیفہ کا ایک ہی لڑکا تھا جس کو کسی دوسرے شخص نے قتل کر دیا تو اُس ضعیفہ کا یہ نقصان ہوا کہ اس ضعیفی کے عالم میں اُس کو کما کر کھلانے والا کوئی نہ رہا۔ ایسی حالت میں مال لیکر قاتل کو معاف کر دینا اس کے لئے نعم البدل کا حکم رکھتا ہے یہ باریک علاتیں قانون الٰہی میں ہی ممکن ہیں۔ انسانی قانون میں نہیں۔

انسانی جان کا احترام کیا شے ہے اس کو قرآنِ مجید سے پوچھو۔ ارشاد ہے

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۔ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا

جو کوئی کسی کی جان لے۔ بغیر اس کے کہ اس نے کسی کی جان لی ہو۔ یا زمین میں فساد کیا ہو۔ تو گویا اس نے تمام انسانوں کا خون کیا۔ اور جو کوئی کسی کو بچائے تو گویا اُس نے تمام انسانوں کو بچایا۔

یہ وہ قانون الٰہی ہے جس کی رو سے زمین پر ہر جگہ یکساں ضرورت ہے اور دنیا کی ہر قوم کے لئے یکساں طور پر مفید لیکن کسی ایک انسانی حکومت کے قانون کو لے لو۔ اس کا نفاذ زیادہ سے زیادہ اُسی کی سلطنت میں ہوگا۔ مثلاً اگر انڈین پینل کوڈ کی دفعات کوئی جا کر فرانس اور جرمنی میں

پیش کرے تو وہاں والے کہدیں گے کہ اس کی ضرورت ہندوستان کو ہے ہمیں نہیں۔ برخلاف اس کے اوپر کی آیتِ شریف کو اصولی طور پر پیش کیا جائے تو کون ہے جو اس سے انکار کرے۔

اگر قتل جیسے گناہ کا سدِ باب منظور ہو تو قانونِ الٰہی کے نفاذ پذیر ہونے کی ضرورت ہے یہ قوانین وہاں پر بھی کام آتے ہیں۔ جہاں انسانی تعزیر کا خوف نہ ہو قید و بند پھانسی کا تختہ ہراس پیدا نہ کر سکے اور جہاں جرم کا ارادہ کرنے والا فوج اور پولیس کی دسترس سے باہر ہو

اسی قانون مقدس کی جہانگیریت پیش نظر تھی جبکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمادی تھی اور وہ پوری ہو کر رہی کہ قادسیہ سے صنعا تک ایک عورت تنہا سفر کرتی تھی اور اس کی جان اور اُس کا مال خطرہ سے محفوظ تھا۔

سرقہ

جان کے نقصان کے بعد مال اور عزت کا درجہ ہے اس لئے چوری کوئی معمولی جرم نہیں ایک شخص کی عمر بھر کی کمائی اور ایک ایک لمحہ کا اندوختہ ایسے وقت میں چرا لیجاتا ہے کہ اُس کی ہلاکت تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے تو ظاہر ہے کہ چوری بھی ایک چھوٹا قتل ہی ہے اس لئے اس کی سزا ہاتھ کا کاٹا جانا بالکل مصلحت کے ساتھ ہے چونکہ بیشتر اوقات چوری کا تعلق ہاتھ ہی سے ہوتا ہے۔ اس لئے ہاتھ کو ہی اس کی سزا ملنی چاہیئے حضرت مسیح علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ اگر تیرا داہنا ہاتھ تیرے لئے ٹھوکر کھانے کا باعث ہو تو اس کو کاٹ ڈال اور اپنے پاس سے پھینکدے کیونکہ تیرے اعضا میں سے ایک کا نہ رہنا تیرے لئے اس سے بہتر ہے کہ تیرا سارا بدن جہنم میں ڈالا جائے۔

ارشاد باری ہے۔

اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا

کتٰبٌ نکالاً مِّنَ اللّٰہ

اور جو مرد چوری کرے	اور جو عورت چوری کرے سو ان دونوں کے داہنے ۔ ہاتھ (گٹے
پر سے) کاٹ ڈالو	ان کے کردار کے عوض میں بطور سزا کے خدا کی طرف سے

انگریزی قانون۔

جو کوئی شخص سرقہ کا مرتکب ہو اُس کو دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دیجائیگی جس کی میعاد تین برس تک ہوسکتی ہے یا جرمانے کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔
(دفعہ ۳۷۹ تعزیرات ہند)

سب سے پہلے اس بات پر غور کرنا چاہیئے کہ سزا کیوں دی جاتی ہے اگر اس کا مقصد عبرت اور انتظام کا قائم رکھنا ہو تو اصل مطلب ہی فوت ہوجاتا ہے۔ اس لئے چوری کی علت کو دیکھنا چاہیئے اور پھر اُس کے انسداد کی تدابیر کو۔ جو لوگ قرآن مقدس کی اس سزا کو پسند نہیں کرتے اور وحشیانہ کہتے ہیں اُن کی نگاہ جرائم کے سدِباب پر نہیں۔ اگر ایک شخص کے ہاتھ میں ایسا زہریلا زخم ہوجاتا ہے جس سے سارے اعضا کے متاثر ہونے کا خوف ہے تو ڈاکٹر فوراً ہاتھ کاٹ ڈالتا ہے۔ اور مجرم اور اُس کے اقربا سب ہی اس پر راضی ہوجاتے ہیں۔ اگر ڈاربی میں اوّل آنے والے گھوڑے کی ایک ٹانگ ناکارہ ہوجائے تو گولی ماردی جاتی ہے اور یہ سب کچھ مہذّب لوگوں کے ہاتھوں انجام پاتے ہیں۔ پھر یہی اصول جب اسلامی قانون پیش کرتا ہے تو نامہذّب کیونکر ہوجاتا ہے۔

ان لوگوں کو جو اپنی ناسمجھی سے یہ اعتراضات پیش کرتے ہیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ قرونِ اُولیٰ میں جب ہاتھ کے کاٹے جانے کی سزا جاری تھی تو اس وقت چوری کی واردات میں کس قدر کم ہوتی تھیں۔ اور آج جبکہ قید و جرمانے کی سزا پر اکتفا کیا جاتا ہے تو چوروں سے

کتنے جیلخانے بھر گئے ہیں اور یہ بھی کہ چور بجائے عبرت حاصل کرنے اور اصلاح یافتہ ہونے کے جس کا ذکر قرآن مجید میں اس کی بعد کی آیت میں کیا گیا ہے۔ کس طرح جیلخانے کو مستقل گھر، چوری کی مشق کا مقام اور چوری کو مستقل پیشہ سمجھنے لگ گئے ہیں۔

قانونِ الٰہی کی مصلحتوں کو سب سے زیادہ سمجھنے والی وہ ہستی تھی جس کو دنیا سب سے بڑا عقلمند، سب سے بڑا انصاف پسند، سب سے بڑا مہذب اور رحمۃ للعالمین سمجھنے پر مجبور ہے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک معزز قبیلہ کی عورت چوری کی علت میں ماخوذ ہو کر آئی۔ صحابہ متوقع تھے کہ اس کے ساتھ وہ سلوک نہ کیا جائیگا جو عام لوگوں کے لئے ہے لیکن آپؐ نے فرمایا کہ اگر ہماری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں یہی سزا دیتا۔

زنا

میں نے اوپر کہا تھا کہ جان کے نقصان کے بعد مال اور عزت کا درجہ ہے۔ لیکن عزت کا معاملہ غور کیا جائے تو سب پر فائق ہو جاتا ہے۔ عورت کی حرمت کا معاملہ تو ایسا ہے کہ اس کو تہذیب کی جان سمجھنا چاہیئے۔ اب جبکہ دنیا سے نسائیت برہنہ ہوتی جارہی ہے یہ بات جلد کسی کی سمجھ میں نہ آئیگی۔ تاہم حقیقت حقیقت ہی باقی رہ جائے گی۔

حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا کہ وہ زنا نہ کریں مگر میں تمھیں کہتا ہوں کہ جو کوئی شہوت سے کسی عورت پر نگاہ کرے وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا" پیروانِ مسیح دیکھیں کہ وہ آج اس کے خلاف کیا کچھ نہیں کر رہے ہیں اب اگر اس معاملہ میں قرآن مقدس کی تعلیمات کو پیش نظر رکھا جائے تو حقیقتِ حال اچھی طرح منکشف ہو جاتی ہے۔

قانونِ الٰہی اس معاملہ میں یہ ہے۔

انگریزی قانون

جو کوئی شخص زنا بجبر کا مرتکب ہو اُس کو حبسِ دوام بعبور دریائے شور یا دونوں میں سے کسی قسم کے قید کی سزا دی جائے گی۔ جس کی میعاد دس برس تک ہو سکتی ہے اور وہ جرمانے کا مستوجب ہوگا۔ (تعزیرات ہند دفعہ ۳۷۶)

صاحب نظر کے سامنے ہر دو قانون کا فرق ظاہر ہے۔ قرآن مجید ہر حال میں زانی کو سزا دیتا ہے۔ زنا بجبر ہو یا زنا بالرضا۔ دونوں کو انسانیت سوز مظاہرہ سمجھتا ہے۔ میرے خیال میں تو بالرضا کو اور بھی مذموم قرار دینا چاہیئے کیونکہ بالجبر میں تو معلوم ہے کہ گناہ کو برا سمجھا جا رہا تھا برعکس اس کے رضا میں گناہ کرنے والا گناہ کو پسند کر رہا ہے۔

قرآن مجید ایسی سزا تجویز فرماتا ہے جس سے مجرم کو ہمیشہ کے لئے خوف اور نفرت پیدا ہو جائے۔ نیز دوسروں کو سخت عبرت ہو۔ لیکن انگریزی قانون نے زنا بالجبر کو جرم ہی نہیں سمجھا ہے جس کا نتیجہ ہر طرف کھلی ہوئی بیحیائی کی کثرت ہے۔ فاحشہ عورتیں پیشہ ور فاحشہ بن بیٹھی ہیں اور پھر لطف یہ کہ وہ مالدار ہو جائیں تو اُن سے اسی بیحیائی کی آمدنی سے حکومت انکم ٹیکس بھی وصول کرتی ہے۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

شراب خواری اور جوابازی

انسان کے اخلاق کی درستگی اول چیز ہے۔ یہیں سے امن و امان کا سرچشمہ شروع ہوتا ہے اور ایک سلطنت کی بہتری کا آغاز ہوتا ہے۔ قانون کے احترام کی یہیں سے بنیاد

سکتا ہوتی ہے اور یہیں سے تمدن اور تہذیب رونما ہوتے ہیں۔ شراب جو انسان کی جنس گرانمایہ عقل پر سب سے پہلے حملہ آور ہوتی ہے۔ اُس کی مذمت ہر ذی ہوش کے سامنے مسلم ہے۔ یہی حال جوا بازی اور شرطوں کا بھی ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں ارشاد باری ہے۔

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

چونکہ انگریزی قانون میں شراب خواری کو جرم قرار نہیں دیا گیا۔ اس لئے تقابل کا کوئی موقع نہیں بلکہ صرف اعتراض ہی باقی رہ جاتا ہے۔ اور اس کمی پر بحث کرنی پڑتی ہے۔ قانون نہ ہونے کا نتیجہ ہے کہ جس کا جی چاہتا ہے اعلانیہ شراب پیتا ہے ظاہر ہے کہ جب فروخت کیلئے دکان کھول دی جائے اور ٹھیکے قائم کر دیے جائیں تو خرید کا کیا ٹھکانا ہے۔

یہاں اس سے بحث نہیں کہ اس اخلاقی اور مذہبی جرم میں کون کون گرفتار ہو سکتا ہے وہ چاہے برٹش گورنمنٹ ہو یا کوئی مسلمان سلطنت ان میں سے جس نے بھی محکمہ آبکاری کے قیام کو ضروری سمجھا ہے اور انسانوں کی قائم کردہ حکومتوں کو ہمیشہ کے لئے بدنام کر دیا ہے۔ ملعون کہے جانے کے لائق ہے۔ انسانوں کے عقل و ہوش کو ضائع کر کے اگر خزانے پُر کیے گئے تو یہ کوئی تعریف کی بات نہیں۔ اور اسی آمدنی سے رفاہ عام کا کام کیا جانا تو پاک کو ناپاک سے پاک کرنے کی کوشش ہے۔

یہ کہنا کہ محکمہ آبکاری کا قیام شراب نوشی پر قیود عاید کر کے اُس کو کم کرتا ہے ایک بے معنی بات اور سراسر نادانی ہے کیونکہ آج تک تو ایسا ہوا نہیں۔ لہٰذا دعویٰ بے ثبوت ہے

آنکھیں تو یہ دیکھ رہی ہیں کہ ہر سال اس ناپاک آمدنی میں اضافہ ہی ہے۔ اور ہو بھی کیونکر نہیں کہ جب محکمہ کے متعلقہ افسر کو اپنی ترقی اور اپنی ملازمت کی خیر اسی میں نظر آرہی ہو کہ یہ شیطانی محکمہ قائم رہے اور اسی میں ترقی ہو تو پھر کمی کا سوال ہی کہاں باقی رہتا ہے۔

محکمۂ آبکاری نے نشہ خوری کو آسان کر دیا ہے۔ اگر ہر شخص کو تاڑ پر سے تاڑی لاکر اور بھٹی گرم کر کے شراب پینی پڑتی تو یہ ایک مشکل امر تھا اور اس سے ممکن تھا کہ نشہ خوری میں کمی واقع ہوتی۔ یا کم سے کم یہ تو ضرور ہوتا کہ یہ جرم گھروں میں چھپ کر ہوتا۔ برسر بازار تو ٹھکارنے کی آوازیں نہ آتیں اور لوگ شراب خوری کا بازار گرم کئے نظر نہ آتے انسان شیطان کی نوکری کے لیے سرگرداں تو نہ پھرتے۔ یہ بالکل واضح ہے کہ شیطان کو جب شیطنیت کا موقع مل جائے تو پھر وہ کیا کچھ نہیں کرتا اور آج یہی ہو رہا ہے۔

شیطان کا کام ہے کہ برے فعل کو زینت دیدیتا ہے اور اچھا کرکے دکھلاتا ہے شراب بیچنے والے اور شراب پینے والے جس چیز کو فائدے سے تعبیر کرتے ہیں وہی نقصان ہے۔ ایک شاعر اس کے ذریعہ بیخودی کا طالب ہے۔ لیکن یہ نہیں سمجھتا کہ اُس کے اس ادنیٰ فلسفہ نے کس اعلیٰ پایہ کے فلسفے کی جگہ لے لی۔ یہ شیطان کا حربہ ہے جو فائدہ سمجھنے والوں پر چل گیا ہے۔ اور یہ تو وہ چیز ہے کہ دنیا کے ہر مذہب دنیا کے ہر حکیم اور دنیا کے ہر مصلح نے جس کی مذمت کی ہے۔ حال ہی میں امریکہ نے اپنے یہاں شراب خوری کو قانوناً ناجائز قرار دیکر دنیا کی دوسری سلطنتوں کے لئے ایک مثال قائم کردی ہے جو قرآن مجید کے صداقت کی روشن دلیل ہے۔

بہرحال کہنا یہ ہے کہ اسلام نے شراب کے جزو کل سب کو ناپاک قرار دیا اور شراب خور کو اسّی بیت مارنے کی سزا مقرر کی۔ مگر دنیا کی ایک بڑی حکومت اس قانون سے بے بہرہ ہے۔

جوّا

جوابازی کی بھی اسی آیت میں قانون الٰہی نے روک تمام فرمائی ہے اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ سوسائٹی کے لئے یہ چیز نہایت مضرت رساں اور تہذیب و تمدن کی جڑ کو کھوکھلی کر دینے والی ہے۔ مونٹے کارلو میں خودکشی کی وارداتوں کا حال سنا جاتا ہے لیکن اس مرکزیت پر شاید یورپ کو ناز ہی ہوگا۔ انگلستان میں ڈاربی کا بھی یہی حال ہے عمر بھر ایک شخص خسر طیس ہارتا رہتا ہے مگر ہر سال نئی امید و نئی دنیا لئے ہوئے پھر شریک ہوتا اور چار دن شانے چت گرتا ہے۔ مگر کوئی نہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے اس کا سد باب کرے۔ پھر جب حکام تک اس میں شریک ہوں، بازی لگائیں، انعامات مقرر کریں تو اس مہذب جوئے کو روکے کون۔

اوپر جو کچھ برٹش گورنمنٹ اور برٹش گورنمنٹ کے قانون پر بحث ہوئی وہ تو تمثیلاً تھی ورنہ یہی حال ایشیا، اور یورپ سب کا ہے، اس میں عیسائی اور نام نہاد مسلمان شریک ہیں الا ماشاء اللہ

انسانی حکومت کا تابع ہونا انسانی خواہشات کا تابع ہے

انسانی حکومت کی پہلی اینٹ جہاں سے بھی رکھی گئی ہو اور جب سے بھی اس کا آغاز ہوا ہو گمراہی اور حیوانی خواہشات کے غلبہ سے ہوا ہوگا۔ اور آسمانی شریعت سے محرومی یا خلاف ورزی نے اس کی عمارت کو طیار کیا ہوگا۔

تعجب ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کی خواہشات کا کیونکر تابع ہو جاتا ہے ان کے بنائے ہوئے قانون اور ان کی قائم کی ہوئی حکومت کا جوا اپنے کاندھوں پر کیونکر رکھ لیتا ہے۔ یہ تسلیم کہ انسان اور انسانوں کی بستی کے لئے تہذیب و تمدن کی ضرورت

احاس کے لئے قاعدہ وقانون کی۔ ۔ اور پھر اُس قاعدہ وقانون کے نافذ کرنے والے اور منوانے والے کی بھی۔ مگر وہ اس نکتہ سے کیوں آنکھوں پر پردے ڈال لیتا ہے کہ وہ انسان ہے۔ اس لئے انسان کا تابع فرمان کیونکر ہو۔ آمرِ مطلق، حاکمِ مطلق اور قادرِ مطلق۔ اس لائق ہے کہ اس کا قانون مانا جائے اور اس کی محکومیت کے لئے سر جھکایا جائے۔ تابع اور متبوع۔ حاکم اور محکوم سب کے لئے ایک اور قوت ہے جس کا حاکم ماننا انسانیت کے لئے شایانِ شان ہو سکتا ہے۔ انسان کو تابع بننا چاہیئے۔ لیکن ایسے کا جس کا تابع بننا ناگزیر ہے۔ انسان محکوم ہو لیکن اس کا جس کی محکومیت سے ایک لمحہ کے لئے بھی نکلنا ناممکن ہے۔ ھُوَ القَادِرُ فوقَ عِبادِہٖ۔

انسانی قانون اور انسانی حکومت کی فضولیت تو کوئی ایسی چیز نہیں جو مشکل سے سمجھ میں آئے۔ وہ تو نہایت آسان ہے اور فوراً معلوم ہو جاتی ہے۔ اس کا ناکارہ ہونا تو یہیں سے ثابت ہے کہ کروروں انسانوں میں سے کسی دو کا بھی یکساں حال نہیں۔ بلکہ ایک ہی آدمی کا ابھی کچھ خیال ہے تو تھوڑی دیر میں کچھ اور حال ہے۔ کوئی خدا ترس اور متقی و پرہیزگار ہوتا ہے تو کوئی ناحق شناس بدکار اور بدکردار ہے۔ ایک ہی بادشاہ کے دو لڑکے ہوتے ہیں اُس میں سے ایک ظالم ہے تو دوسرا عادل اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بادشاہ خوبیوں سے متصف ہے۔ تو اس کا جانشین اس کے برعکس برائیوں سے ملوث۔ پھر بادشاہت کا کیا ذکر پیغمبر کے بیٹے تک پر اعتبار نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کا حال کس کو معلوم نہیں غرض یہ ہے کہ انسانوں کے معاملوں میں طبیعتوں کا کوئی صحیح معیار ہرگز قائم نہیں کیا جا سکتا۔ جب حال یہ ہے تو انسانوں کا بنایا ہوا قانون ان سب کے یکساں طور پر حسبِ حال کیونکر ہو سکتا ہے یہاں تو خدا ہی کے قانون کی ضرورت ہے،

انسانی حکومتیں اخلاقی زندگی کے ظاہری لوازمات پر بھی حاوی نہیں ہوسکتیں بلکہ مطمح نظر سفلی ہوتا ہے اعلیٰ نہیں۔ آج روئے زمین پر کون کون سی حکومتیں ہیں جن کی بنیاد دنیا کی اخلاقی زندگی اور عاقبت کی روحانی زندگی کی حفاظت اور حصول کے لئے قائم ہو حالانکہ اس کی ناگزیر ضرورت سے بھی کسی کو انکار کی مجال نہیں ہوسکتی۔

سوال یہ ہے کہ قانون کی اور حکومت کی ضرورت کیوں ہے۔ اگر اس کا جواب وہ نہیں جس کو میں نے دین و دنیا ہر دو کی بہتر زندگی سے تعبیر کیا ہے تو کیا دوسرا کوئی جواب اعلیٰ اور تشفی بخش جواب ہوسکتا ہے نہیں ہرگز نہیں۔

یہ کون نہیں جانتا کہ دنیا اور دنیا کی ہر چیز فانی ہے اس لئے یہاں کی کوئی نعمت ضمیر کی حقیقی طلب اور روح کی دائمی مسرت کو پورا نہیں کرسکتی۔ انسان خود باقی رہنا چاہتا ہے اور دراصل ایسی نعمتوں کا بھی خواستگار ہوتا ہے جس کو کسی قسم کا کبھی زوال نہ ہو۔ مگر یہ وہ چیز ہے جس کو انسانی قانون اور انسانی حکومت مہیا نہیں کرسکتی۔ کیونکہ وہ خود کامل اور باقی نہیں اس کی ساری جدوجہد کا سلسلہ دنیا اور دنیا کی زندگی تک ہی ختم ہوجاتا ہے۔ اس کا وعدہ تو آسمانی قوانین اور حکومتِ الٰہی میں ہے۔ اس خواہش کا پورا ہونا تو آسمانی قانون اور آسمانی سلطنت کے ذریعہ سے ہی ممکن ہے۔

یہاں سے یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اصلی مذہب وہ ہوگا جو دین بھی دیتا ہو اور دنیا بھی۔ ورنہ دنیا میں رہ کر دنیا سے فائدہ اُٹھانا۔ اس بات کا مقابلہ نہیں کرسکتا کہ ایک شخص دنیا کی زندگی بھی بہتر طور پر بسر کرے اور عاقبت کی دائمی مسرت کا باعث بھی بنے بلکہ دنیا تو اسی لئے ہے کہ دین کو سنوار جائے اسی لئے ہے۔ الدنیا مزرعة الآخرة

اب ایک انسان کے سامنے ایک طرف صرف دنیا کی نامکمل بادشاہت ہے اور ایک طرف دین

اور دنیا ہر دو کی تکمیل تو وہ اپنی عقل اور اپنی دانش سے سوال کرے کہ ان میں سے کس کو اختیار کرنا چاہیے۔ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ

انسانی قانون اور انسانی نظام حکومت کی مثال تارِ عنکبوت سے دی جاسکتی ہے اور اسکے شکار ہونے والے مچھر مگس سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ ان اوھن البیوت لبیت العنکبوت۔ یہ سراب ہے جس سے ہرگز پیاس نہیں بجھ سکتی۔ اور وہ آبحیات ہے جس کو فنا نہیں۔ انسانی قانون اور انسانی حکومت کا خدائی قانون اور خدائی حکومت سے مقابلہ ہی کیا۔ ایک کو جتنا ناقص ہونا چاہیئے اور وہ ناقص ہے دوسرے کو جسقدر کامل ہونا چاہیئے کامل ہے۔ چونکہ انسان ہمیشہ زیادہ تر انسانی قانون اور انسانی حکومت کا ہی شکار ہوتا آیا ہے اسلیئے اور اسلیئے بھی کہ اس بیسویں صدی عیسوی میں بھی ایسی عام مصیبت مین سب مبتلا ہیں اسلیئے اسقدر بحث کی ضرورت ہوئی یہانتک کہ جو قومین مذہبی ہونے اور کسی مذہب کے رکھنے کی دعویدار ہیں وہ بھی مذہب کو علحدہ اور حکومت کو الگ کئے ہوئے ہیں۔ مذہب صرف کہنے کے لئے ہے لیکن ماننے اور عمل کیلئے ادنیٰ درجہ کی چیز یعنی انسانی قانون اور انسانی حکومت ہے۔ آج روئے زمین پر خالص مذہبی حکومت کہیں بھی قائم نہیں۔ بلکہ شاید اس کا تخیل بھی کہیں موجود نہیں ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ سننے میں آیا ہے کہ سلطان ابن سعود اسی خیال کے ہیں اور شاہ نادر خاں نے بھی اسی کا اعلان کیا ہے خدا کرے ایسا ہی ہو۔ این دعا از من از جملہ جہاں آمین باد۔

آزادی کا غلط مفہوم

ایشیا جو ہمیشہ سے مذہب کا گہوارہ رہ چکا ہے۔ ہندوستان جہاں سے روحانیت کی شعا میں معلوم نہیں کتنی مرتبہ بلند ہو چکی ہیں۔ وہاں ایک شخص مہاتما گاندھی کے نام سے مشہور ہیں۔

جن کو لوگ اس زمانہ کا سب سے بڑا آدمی کہتے ہیں۔ مگر اُن کی زندگی کا مقصد سوراج ہے مطلب یہ ہے کہ ہندوستانیوں کو اپنے ملک ہندوستان پر اختیار کلی حاصل ہو۔ یا اپنی حکومت قائم کریں اور اپنا بنایا ہوا قانون اپنے اوپر نافذ کریں۔ اگر امر واقعہ یہی ہے اور آگے چلکر یہی ہونیوالا ہے تو ایک حق پرست کے لئے کوئی خوشی کی بات نہیں۔ دوسرے معنوں میں اس کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ ہندوستانی دوسرے کی غلامی سے نکلکر اپنے غلام بن جائینگے بہرحال غلامی سے چھٹکارا نہ ہوا کل دوسرے کے غلام تھے تو آج اپنے بندے ہیں۔ اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ بروقت ہندوستانیوں میں خدائی راج کا خیال پیدا ہو جائے۔ اور وہ ایک جال سے نکلکر دوسرے جال میں نہ پھنس جائیں۔ آزاد ہوتے ہی آسمانی قانون کا نفاذ اور حکومت الٰہی کا قیام ہو۔ کاش کوئی ہوتا کہ راونڈ ٹیبل کانفرنس میں اس مقدس صدا کو بھی بلند کرتا۔

ہندوستان والوں کو لازم تھا کہ جو کچھ کرتے وہ رام راج کے لئے کرتے۔ بہتر تو یہ تھا کہ سوراج کی جگہ پر پہلے سے ہی خدائی راج کا خیال پیدا کیا جاتا اور اسی کے مطالبہ کے واسطے جدوجہد کی جائے خصوصاً مسلمان شرکاء کو تو اس سے ایک انچ بھی ہٹنا نہیں چاہیے تھا۔ ان کی شرکت کو تو اسی شرط کے ساتھ مشروط ہونا چاہیئے تھا۔ ایک مسلمان سوراج کا خواہاں نہیں ہو سکتا۔ اور چرخہ کو پیش نہیں کر سکتا بلکہ وہ حکومت الٰہی کا خواہاں ہوگا۔ اور قرآن مقدس کو پیش کرے گا۔

آج آزادی کا غلط مفہوم رائے عالم پر مستولی ہے عقل و تمیز والوں کی اصطلاح میں اس کا نام تباہی و بربادی اور خود پرستی کے سوا دوسرا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ سوراج کا لفظ کوئی نیا لفظ نہیں۔ دوسرے ملک کے لوگ بھی "اپنی حکومت" کا آوازہ بلند کر چکے اور کرتے رہینگے ہندوستان میں بھی سوراج اُسی کی صدائے بازگشت ہے۔

ایک بلند ہمت مسلمان کیلئے کوئی خاص قوم اور کوئی خاص ملک حدِ نظر نہیں ہو سکتا وہ تو کائناتِ ارضی کے چپے چپے اور زمین کے اوپر بسنے والے ایک ایک فردِ انسان کے لئے بس ایک ہی چیز کا خواہاں ہو سکتا ہے۔ کہ عبد اور معبود میں صحیح تعلقات قائم ہو جائیں اور ہر طرف آسمانی بادشاہت ہو۔ اور آسمانی حکمرانی نظر آئے۔

مذاہبِ عالم اور اُنکی آسمانی کتاب

چونکہ دنیا میں خدائی حکومت کہیں بھی قائم نہیں ۔اس لئے اس بحث میں اختصار کے ساتھ صرف ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ دنیا میں کئی قومیں ایسی ہیں جو مذہب رکھتی ہیں اس لئے ان میں سے ہر ایک کو یہ کہنے کا حق ہے کہ اُن ہی کے مذہب کے مطابق خدائی حکومت کا قیام ہو۔ تو انسانیت اور صلاحیت کا یہ درجہ حاصل ہو جانے کے بعد اب ہم اس مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ اقوامِ عالم اور اُن کی مذہبی کتابوں پر نگاہ ڈالیں اور اس بات کا پتہ چلائیں کہ ان میں کس کو جامعیت حاصل ہے۔ ہم مجموعی طور پر کس کو قبول کریں اور حقیقت میں حکومتِ الٰہی کا قیام کس کتاب کے ذریعہ ممکن ہے۔

اس سلسلے میں اوّل تو یہ آتا ہے کہ جس خدائی حکومت کا قیام مدِّ نظر ہے اور جس کے قوانین کا نفاذ پذیر ہونا مطلوب ہے۔ اُس کا آخری حکمنامہ کون سا ہے کیونکہ دستور کے مطابق یہی طریقہ رائج ہے کہ ہر بادشاہ کا آخری حکم اور آخری قانون ہی قابلِ عمل سمجھا جاتا ہے تو یہ تسلیم ہے کہ قرآنِ مقدس آخری رسول کے ذریعہ زمین والوں کے لئے آسمان والے کا آخری آسمانی پیغام ہے۔ اسی لئے قرآن جمیع انبیائے سابقین اور کتبِ سماوی کی تصدیق کرتا ہے۔

قرآنِ مقدس توحید کی مرکزیت کو پوری طور پر قائم رکھتا ہے۔ جو ہر مذہب اور جو جمیع

صحفِ سماوی کی جان ہے۔ یہ دین بھی دینے کا دعویدار ہے اور دنیا بھی۔ یہ جسمانی حکومت بھی کرتا ہے اور روحانی بھی۔ یہ آپ ہی دعویٰ بھی ہے اور آپ ہی اپنے دعوے کا ثبوت بھی۔ تاہم بات یہیں پر ختم کردینی مناسب نہیں بلکہ قدرے توضیح اور تشریح بھی لازم ہے۔

مذاہبِ عالم پر ایک نظر

یوں تو اسلام کے سوا دنیا میں اور مذاہب بھی ہیں۔ لیکن ان سب میں۔ بودھ ازم۔ ہندو ازم یہودیت اور عیسائیت کا خاص طور پر نام لیا جا سکتا ہے۔ اس لئے مثالاً انہیں کا بیان کرنا مناسب ہوگا۔ ان میں سے ایک یعنی بودھ ازم کے متعلق تو کوئی آسمانی کتاب موجود نہیں۔ البتہ بزرگ گوتم بودھ کی جستہ جستہ تعلیمات ہیں جن میں سے جیو رکھشا کو سب سے زیادہ اہمیت ہے۔ اہنسا کا مسئلہ گویا بودھ ازم کی جان ہے کسی جاندار کی جان لینے کی قطعاً ممانعت ہے اور یہ سب سے بڑا ناقابلِ معافی گناہ ہے۔ رہے عیسائی جو انجیلِ مقدس کے حامل ہونے کے دعویدار ہیں لیکن وہ جانتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا خود یہ دعویٰ نہ تھا کہ وہ کوئی مستقل شریعت لیکر تشریف لائے ہیں۔ بلکہ در اصل وہ شریعت موسوی کی تکمیل کے لئے یا اُس کو تازہ کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ اسی لئے انجیل کے ایک سرسری مطالعہ کے بعد بھی فوراً معلوم ہو جائے گا کہ اس میں عقائد کی بحث تو ضرور ہے مگر نہ تو عبادات کے قاعدے قانون ملیں گے۔ اور نہ ہی معاملات کا کوئی دستور نظر آئیگا۔ وہ انسانی حقوق اور فرائض جو تہذیب و تمدن کیلئے بطور لازمہ کے ہیں۔ اُن کا مواد کچھ بھی فراہم نہ ہوگا۔ اور اس قسم کے اخلاقی ہدایات کا کوئی خاص اہتمام کا پتہ چلیگا۔ عیسائیت بودھ ازم کی چھوٹی بہن ہے یہاں بھی وہی نرمی ہے اور وہی جہادِ فی سبیل اللہ کا فقدان۔ یہی سبب ہے کہ ان میں سے ایک تو مٹ گیا اور دوسرے کے پیروؤں نے عیسائی ہو کر بھی

عیسائیت کی تعلیم سے خلاف کرنا ناگزیر سمجھا۔ بلکہ آج تو دنیا میں سب سے زیادہ رزم اور رزم کا ادعا نہ اور جارحانہ سامان ان ہی کے پاس ہے ۔مطلب یہ ہے کہ ان کا مذہب ان کے لئے بیکار ثابت ہوا۔ انجیل ان کی سیاسی رہنمائی سے قاصر ہے۔ للہٰذا عیسائیوں کو مجبور ہو کر اپنے مذہبی قوانین کو آپ توڑنا پڑتا ہے۔

اب ہندوازم اور یہودیت باقی ہیں۔ ہندوازم کیلئے چار وید ہیں جن کو الہامی کہا جاتا ہے لیکن دستور العمل منوجی کے شاستر کے قوانین ہیں۔ یہاں قابلِ لحاظ یہ امر ہے کہ منوجی نے اپنے بنائے ہوئے قوانین کو الہامی نہیں کہا اور نہ ان کو آج تک دوسروں نے الہامی سمجھا تو نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ یہ کتاب بھی اسی طرح کا مجموعۂ قوانین ہے جیسا کہ بعض انسانی حکومتوں نے تیار کیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ فرق یہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ مذہبی رنگ میں ہے جیسا کہ اس زمانے میں دیانند سرسوتی کی کتاب ستیارتھ پرکاش ہے۔

توراۃ بھی آج اصلی توراۃ نہیں ہے۔ اصلی توراۃ درحقیقت دنیا سے ناپید ہے بخت نصر نے بیت المقدس کو جب آگ لگا کر تباہ و برباد کیا تو [illegible] سری شریعت کے نوشتے بھی نذرِ آتش ہو گئے جو شریعت موسویہ کے مجددین کے مرتب کردہ تھے پھر حضرت عزیر علیہ السلام کے وقت میں جو کچھ اس کے اجزا جمع ہوئے وہ سکندرِ اعظم کی فتوحات کے سیلاب میں بہ گئے۔

توراۃ کے اصل عبرانی نسخہ کی جگہ جب سے یونانی زبان نے لے لی (جو آج وائر سائر ہے) اور بھی مسخ اور تحریف ہو گئی۔ الغرض شبہات سے یہ کتاب خالی نہیں رہی۔ اس کے علاوہ استدلال کا یہاں ذکر نہیں۔ بلکہ جس طرح بودھ ازم اور عیسائیت انتہائی نرم ہے [illegible] اسی طرح موسویت نہایت سخت اور مشکل ہے۔ پس انسانیت کا توازن قائم رکھنے کے لئے موجودہ توراۃ سے بھی دست بردار ہونا پڑے گا۔

جنسِ مشترک

ان چار مذاہب کی موجودہ تعلیمات اور کتابوں پر نگاہ ڈالنے کے بعد۔ ایک ایسی کتاب کی ضرورت لاحق ہوتی ہے جو ہر حیثیت سے جامع مانع ہو اور جس کے اندر دنیا کا کوئی ایسا قانون نہ ہو جس کی اصل اُس کے اندر واضح طور پر موجود نہ ہو اور پھر یہ بھی کہ کوئی شریعت اور کوئی آسمانی کتاب ایسی باقی نہ رہ جائے جس کی تعلیمات کا کسی نہ کسی طرح اعادہ صرف وہی ایک کتاب کردے۔ یہ اس لئے بھی کہ جب چند شریعتیں اور چند کتابیں سامنے آگئی ہیں تو ان میں سے کس کو چھوڑا جائے اور کس کو اختیار کیا جائے کا سوال پیش ہو جاتا ہے تو راستہ بہتر یہی ہے کہ اس شریعت اور اس کتاب کو منظرِ عام پر لایا جائے جو سب کتابوں کی مصدق بھی اور جمیع شریعت کی تعلیمات قانون کا نچوڑ اور خلاصہ بھی۔ اس کا یہ مطلب ہوگا کہ اب کسی مذہب والے نے اپنی کتاب اور اپنی شریعت کی تعلیم کو نہیں چھوڑا۔ بلکہ ایسی چیز ہاتھ آگئی کہ وہ ہر ایک کی جنسِ مشترک ہے۔

اس موقع پر بہتر ہوگا کہ خدا کے اس آخری آسمانی قانون کے متعلق مسلمانوں کے نہیں بلکہ دیگر مذاہب والوں کے خیالات اور اقوال مختصر طور پر پیش کر دیے جائیں۔ حالانکہ قرآن آپ اپنے دعوے کا ثبوت ہے۔ آفتاب آمد دلیلِ آفتاب۔

ظاہر ہے کہ جہاں خدا اپنے کلام کی آپ تعریفیں فرما رہا ہو وہاں کسی بڑے سے بڑے انسان کی تعریف بھی کیا وقعت رکھتی ہے۔ حاجتِ مشاطہ نیست روئے دلآرام را۔

قرآنِ مقدس کے متعلق مشاہیر کی رائیں

بحر اوقیانوس سے لیکر دریائے گنگا کی انتہا تک۔ الغرض مشرق سے مغرب تک

قرآن مجید کو نہ صرف اصولِ دین کے لئے قانون اساس تسلیم کیا گیا ہے بلکہ اس بات کا بھی اعتراف کیا گیا ہے۔ کہ تعزیرات کے احکام، اجتماعِ تمدن کے اصول، معاشرت کے قوانین الغرض انسانی زندگی کے مختلف نظامات، اور ان کی ترتیب بیان کرنے کے لئے یہ ایک جامع کتاب ہے۔

سر ایڈورڈ گبن۔

یہ وہ کتاب ہے جس میں مسئلہ توحید ایسی نفاست اور پاکیزگی اور ایسے جلال و جبروت اور کمال تیقن کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اسلام کے سوا کسی مذہب میں یہ مسئلہ اس سے بہتر طریقے سے بیان نہیں کیا گیا۔

پروفیسر ایڈورڈ مونٹی

قرآنِ شریف کے سبب سے ہر طرح کا محصول جاتا رہا۔ قرآنِ شریف کے احکام کے سبب سے تجارت کے تمام اخراجات اور ہر قسم کی مشکلات دور ہو گئیں۔ غیر مذاہب کے آدمیوں کو آزادی حاصل ہو گئی۔

جان ڈیون پورٹ۔

قرآن ایک واجب التعظیم کتاب ہے۔ جس نے بتایا ہے کہ خدا کے حقوق بندوں پر کیا ہیں اور بندوں کے حقوق اور تعلقات خدا سے کس قسم کے ہونے چاہئیں۔ اس میں فلسفہ اور اخلاق کی ہر قسم کی باتیں مذکور ہیں۔ فضل و کمال۔ عیب و نقصان۔ حقیقتِ اشیاء۔ عبادت، واطاعت گناہ و معصیت۔ الغرض کوئی بات ایسی نہیں جس کا جامع قرآن نہ ہو۔ یہی ایک چیز تھی جس نے سارے عرب میں قومیت پیدا کی۔ جنگجو قبائل میں اتفاق و اتحاد کی بنیاد ڈالی اور دنیا میں ایک عالمگیر رابطہ پیدا کیا۔

وہ آداب و اصول جو فلسفہ اور حکمت پر قائم ہیں جن کی بنیاد عدل و انصاف پر مبنی ہے جو دنیا کو بھلائی اور احسان کی تعلیم دیتے ہیں ۔ ان میں سے ایک جزو بھی ایسا نہیں جو قرآن میں نہ ہو قرآن اعتدال و میانہ روی کا سیدھا راستہ دکھاتا ہے گمراہی سے بچاتا ہے اخلاقی بکز وریوں کی تاریکی سے باہر نکال کر فضائل کی روشنی میں لاتا ہے ۔ اور انسانی زندگی کے نقائص کو کمالات سے بدل دیتا ہے ۔

موسیو سیدیو

دین محمدی نے قرآن کی عام تعلیم سے تمام دنیا میں تہذیب و شائستگی پھیلانے کے لئے ایک ایجنسی قائم کر رکھی ہے ۔ جو دیگر مذاہب کو نصیب نہیں ۔

ڈاکٹر لائٹنر

اسلام کی قوت اور طاقت کی بنا قرآن پر ہے ۔ قرآن ہی پیروان ملت بیضا کا قانون اساسی ہے ۔ وہی ان کا دستور العمل ہے ۔ اور وہی ان کے حقوق کی دستاویز ہے ۔

مسٹر اے ڈی مارل ۔

بے شک قرآن مجید میں ایک مادی بہشت (ملکہ روحانی) کا وعدہ کیا گیا ہے ۔ لیکن مسلمانوں کی باہمی اخوت سے دنیا ہی بہشت بن جاتی ہے ۔

پادری کینن ایزک ٹیلر ۔

اگر اس دین میں ایسے باخبر اور محقق افراد پائے جاتے جو لوگوں کو اسلام کی حقیقی تعلیمات سے واقف کرتے اور قرآن کی اصلی تفسیر سے مسلمانوں کو آگاہی بخشتے تو کچھ شک نہیں کہ مسلمانوں کی قوم دنیا بھر میں ایک ترقی یافتہ قوم ہوتی اور مسابقت بین الاقوام میں ان کو سب سے آگے نکل جانے کا شرف حاصل ہوتا ۔

موسیو لیون راس

قرآن مقدس کی عام دعوت و تبلیغ

انسانیت کے حصول، پائدار امن وامان، تہذیب و تمدن اور اخلاق کے اعلیٰ مدارج سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے حکومتِ الٰہی تو سب سے پہلی چیز ہے۔ اس سے نیچے تو کوئی درجہ ہی نہیں۔ ہاں اس کے بعد عبدیت کے لوازم اور محبتِ الٰہی کے مدارج ہیں۔ اس لئے ایک انسان اور ایک مسلمان اس سے کم درجہ پر قانع نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اب یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ حکومتِ الٰہی کا قیام کیونکر ممکن ہو تو مختصر طور پر یہ کہنا پڑے گا کہ قرآن مجید کی تعلیم عام، لازمی اور جبری ہونی چاہیئے۔ تاکہ پارلیمنٹری اور جمہوری حکومت کے لئے صحیح رائے عامہ کا حصول ممکن ہو سکے۔

عام دعوت و تبلیغ کا بازار گرم کرنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے تساہل نہ کرنا اور عام احتساب کے اندر ہر انسان کو لے آنا بھی ہے تاکہ جو شخص بھی اپنے اندر انسان کامل ہے وہ خلیفۃ اللہ کے منصب کا اپنے کو اہل ثابت کر سکے اور خلیفۂ وقت بن سکے چاہے ایک ہی شخص حکمراں ہو لیکن بجائے خود ہر شخص اپنے کو خلیفہ سمجھ سکے۔

دنیا کی جو قوم اور جو شخص اس کے لئے زیادہ اصلح ثابت ہو اسی کو حق ہے کہ وہ خلافت فی الارض کے مبارک فرض کو انجام دے وہ چاہے عیسائی ہو، ہندو ہو، یہودی، بدھ مذہب والے ہوں یا پارسی اور سندھ۔ حکومتِ الٰہی اور آسمانی قوانین کا جو علمبردار ہو اس کے جھنڈے کے نیچے سب کو جمع ہو جانا چاہیئے۔

اللّٰھم لک الحمد اللّٰھم لک الملک اللّٰھم لک الحکم

"تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک ہو، تیری ہی بادشاہت آئے، تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو، ہمیشہ کے لئے تیری ہی بادشاہت ہے اور تیری ہی طاقت ہے۔ اور تیری ہی شان و شوکت۔" (مصلح)